(۱)[1]

نقشِ فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا؟!
کاغذی ہے پیرہن، ہر پیکرِ تصویر کا

جذبۂ[2] بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیئے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ!
صبح کرنا شام کا، لانا ہے جوئے شیر کا

(۲)[3]

تھا خواب میں، خیال کو تجھ سے معاملہ
جب[4] آنکھ کھل گئی، نہ زیاں تھا، نہ سود تھا

لیتا ہوں[5] مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز
لیکن یہی کہ "رفت" گیا، اور "بُود" تھا

ڈھانپا[6] کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
میں، ورنہ، ہر لباس میں ننگِ وُجود تھا

(۳)

دوست، غمخواری میں میری، سعی فرماویں گے کیا؟
زخم کے بھرنے تلک، ناخن نہ بڑھ جاویں گے کیا؟

بے نیازی حد سے گزری، بندہ پرور! کب تلک؟
ہم کہیں گے حالِ دل، اور آپ فرماویں گے "کیا؟"

گر کیا ناصح نے ہم کو قید، اچھا! یوں سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز، چھٹ جاویں گے کیا؟

خانہ زادِ زلف ہیں، زنجیر سے بھاگیں گے کیوں؟
ہیں گرفتارِ جنوں، زنداں سے گھبراویں گے کیا؟

(۴)

دل نہیں، تجھ کو دکھاؤں، ورنہ، داغوں کی بہار
اس چراغاں کا، کروں کیا؟ کارفرما جل گیا

عرض کیجے، جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں؟
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا، کہ صحرا جل گیا

(۵)

بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا، سو پریشاں نکلا!

کس قدر خاک ہوا ہے، دلِ مجنوں، یا رب!
نقشِ ہر ذرہ، سویدائے بیاباں نکلا

دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا، غالب!
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا! سو طوفاں نکلا

(۶)

دھمکی میں مر گیا، جو نہ بابِ نبرد تھا
عشقِ نبرد پیشہ، طلب گارِ مرد تھا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

جاتی ہے کوئی؟ کشمکش اندوہِ عشق کی
دل بھی اگر گیا، تو وہی دل کا درد تھا

احباب چارہ سازیٔ وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی، خیال، بیاباں نورد تھا

یہ لاشِ بے کفن، اسدِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے! عجب آزاد مرد تھا

(۷)

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا
وہ، اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاقِ نسیاں کا

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع، میرے نالوں کو
لیا دانتوں میں جو تنکا، ہوا ریشہ نیستاں کا

نہیں معلوم، کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا!
قیامت ہے، سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں، ورنہ
سبب کیا، خواب میں آکر تبسّمہائے پنہاں کا!

نظر میں ہے ہماری، جادۂ راہِ فنا غالب!
کہ یہ شیرازہ ہے، عالم کے اجزائے پریشاں کا

(۸)

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں!
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی
گوش، منّت کشِ گلبانگِ تسلّی نہ ہوا

دل گزرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی!
گر نفس، جادۂ سرمنزلِ تقوی نہ ہوا

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب
ناتوانی سے، حریفِ دمِ عیسی نہ ہوا

(۹)

برہنِ شرم ہے باوصفِ شوخی اہتمام اس کا
نگیں میں جوں شرارِ سنگ ناپیدا ہے نام اس کا

مسّی آلودہ ہے مُہرِ نوازش نامہ، ظاہر ہے
کہ داغِ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اس کا

بہ امیدِ نگاہِ خاص، ہوں محمل کشِ حسرت
مبادا! ہو عناں گیرِ تغافل لطفِ عام اس کا

(۱۰)

محبّت تھی چمن سے، لیکن اب یہ بیدماغی ہے
کہ موجِ بوئے گل سے، ناک میں آتا ہے دم میرا

(۱۱)

محرم نہیں ہے تو ہی، نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا

تو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز
میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا

ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے، شیشے اچھل رہے
ہرگوشۂ بساط، ہے سر شیشہ باز کا

تاراجِ کاوشِ غمِ ہجراں ہوا، اسدؔ!
سینہ، کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا

(۱۲)

شب، کہ ذوقِ گفتگو سے تیرے، دل بیتاب تھا
شوخیٔ وحشت سے، افسانہ فسونِ خواب تھا

گرمیٔ برقِ تپش سے، زہرہ از بس آب تھا
شعلۂ جوّالہ، ہر یک حلقۂ گرداب تھا

واں، کرم کو، عذرِ بارش تھا، عناں گیرِ خرام
گریے سے، یاں، پنبۂ بالش، کفِ سیلاب تھا

واں، خود آرائی کو تھا، موتی پرونے کا خیال
یاں، ہجومِ اشک میں، تارِ نگہ نایاب تھا

جلوۂ گل نے، کیا تھا واں، چراغاں آب جو
یاں، رواں مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا

فرش سے تا عرش، واں طوفاں تھا موجِ رنگ کا
یاں، زمیں سے آسماں تک، سوختن کا باب تھا

یاں، سرِ پُرشور، بیخوابی سے، تھا دیوار جُو
واں، وہ فرقِ ناز، محوِ بالشِ کمخواب تھا

یاں نفس کرتا تھا روشن، شمعِ بزمِ بیخودی
جلوۂ گل، واں، بساطِ صحبتِ احباب تھا

واں، ہجومِ نغمہ ہائے سازِ عشرت تھا، اسدؔ!
ناخنِ غم، یاں، سرِ تارِ نفس مضراب تھا

(۱۳)

گریہ چاہے ہے خرابی، مرے کاشانے کی
دَر و دیوار سے ٹپکے ہے، بیاباں ہونا

واے دیوانگیٔ شوق کہ، ہر دم مجھ کو
آپ جانا اُدھر، اور آپ ہی حیراں ہونا

کی، مرے قتل کے بعد، اس نے جفا سے توبہ
ہائے، اس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا

(۱۴)

دُود کو آج اس کے ماتم میں سیہ پوشی ہوئی
وہ دلِ سوزاں کہ کل تک شمعِ ماتم خانہ تھا

شکوۂ یاراں غبارِ دل میں پنہاں کر دیا
غالبؔ! ایسے گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا

[٦١]
(١٥)

جلوہ مایوس نہیں، دل نگرانی، غافل!
چشمِ امید ہے روزنِ تری دیواروں کا

وحشتِ نالہ بوا ماندگیٔ وحشت ہے
جرسِ قافلہ یاں، دل ہے گرفتاروں کا[٦٢]

پھر وہ سوئے چمن آتا ہے، خدا خیر کرے!
رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا

(١٦)[٦٣]

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا!
نہ ہو مرنا، تو جینے کا مزا کیا؟

تجاہل پیشگی سے مدّعا کیا؟
کہاں تک، اے سراپا ناز! "کیا کیا"؟

نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں
تغافل ہائے تمکیں آزما کیا؟

فروغِ[٦٤] یک نفس ہے، شعلۂ خس
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا؟

دماغِ بوئے[٦٥] پیراہن نہیں ہے
غمِ آوارگی ہائے صبا، کیا؟

نفس، موجِ محیطِ بےخودی ہے
تغافل ہائے ساقی کا گِلا کیا؟

دلِ ہر قطرہ ہے، سازِ "انا البحر"
ہم اس کے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا؟

محابا کیا ہے؟ میں ضامن، اِدھر دیکھ!
شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا؟

کیا کس نے جگرداری کا دعویٰ؟[٦٦]
شکیبِ خاطرِ عاشق، بھلا کیا؟

یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیوں؟
یہ کافر فتنۂ طاقت رُبا کیا؟

بلائے جاں ہے، غالب! اس کی ہر بات
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا!

[٦٧]
(١٧)

[٦٨]اے وائے! غفلتِ نگہِ شوق، ورنہ یاں
ہر پارہ سنگ، لختِ دلِ کوہِ طور تھا

قاصد کو، اپنے ہاتھ سے، گردن نہ ماریئے!
ہاں![٦٩] اس معاملے میں تو میرا قصور تھا

آئینہ دیکھ، اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو، دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا!

(۱۸)[۷۰]

وہی اک بات ہے، جو یاں نفس، واں نکہتِ گل ہے
چمن کا جلوہ، باعث ہے، مری رنگیں نوائی کا

(۱۹)[۷۱]

لے[۷۲] تو لوں، سوتے میں، اس کے پاؤں کا بوسہ، مگر
ایسی باتوں سے، وہ کافر بدگماں ہو جائے گا

دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے، کیا معلوم تھا؟
یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائے گا

باغ میں مجھ کو نہ لے جا، ورنہ میرے حال پر
ہر گلِ تر، ایک چشمِ خونفشاں ہو جائے گا

سب[۷۳] کے دل میں ہے جگہ تیری، جو تو راضی ہوا
مجھ پہ، گویا، ایک عالم مہرباں ہو جائے گا

وائے! اگر میرا ترا انصاف، محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ[۷۴] توقع ہے کہ واں ہو جائے گا

(۲۰)[۷۵]

غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ گل کم دو![۷۶]
مجھے، دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا

ہنوز محرمیِ[۷۷] حسن کو ترستا ہوں
کرے ہے، ہر بُنِ مو، کام چشمِ بینا کا

(۲۱)[۷۸]

اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا!
غیر نے کی آہ، لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

(۲۲)[۷۹]

شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر، مت پوچھ!
اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا

ہم نے وحشت کدۂ بزمِ جہاں میں، جوں شمع
شعلۂ عشق کو اپنا سر و ساماں سمجھا

تھا گریزاں مژۂ یار سے، دل، تا دمِ مرگ
دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا!

دل دیا، جان کے کیوں؟ اس کو وفادار، اسدؔ!
غلطی کی کہ، جو کافر کو مسلماں سمجھا

(۲۳)[۸۰]

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل، جگر تشنۂ فریاد آیا

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

پھر[۸۱] ترے کوچے کو جاتا ہے خیال
دلِ گم گشتہ، مگر، یاد آیا

کوئی[۸۲] ویرانی سی ویرانی ہے!
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

ہم[۸۳] نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

(۲۴)[۸۴]

چھوڑا، مہِ نخشب کی طرح، دستِ قضا نے
خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

توفیق بہ اندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

میں سادہ دل، آزردگیٔ یار سے خوش ہوں
یعنی سبقِ شوقِ مکرّر نہ ہوا تھا

جب تک کہ نہ دیکھا تھا، قدِ یار کا عالم
میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

دریائے معاصی، تُنُک آبی سے ہوا خشک
میرا سرِ دامن بھی، ابھی تر نہ ہوا تھا

(۲۵)[۸۵]

مشہدِ[۸۶] عاشق سے، کوسوں تک جو اگتی ہے حنا
کس قدر یارب! ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا

پوچھ[۸۷] مت! بیمارئ غم کی فراغت کا بیاں
جو کہ کھایا خونِ دل، بے منّتِ کیموس تھا

(۲۶)[۸۸]

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا

جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لئے ہوئے
جوں[۸۹] شمعِ کشتہ، در خورِ محفل نہیں رہا

دا کر دیئے ہیں، شوق نے، بندِ نقابِ حسن
غیر از نگاہ، اب، کوئی حائل نہیں رہا

گو میں رہا رہینِ ستمہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

مرنے[۹۰] کی، اے دل! اور ہی تدبیر کر کہ میں
شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا

دل سے ہوائے کشتِ وفا مٹ گئی کہ واں
حاصل، سوائے حسرتِ حاصل، نہیں رہا

ہوں[۹۱] قطرہ زن، بمرحلۂ یاس، روز و شب
جز تارِ اشک، جادۂ منزل نہیں رہا

بیدادِ[۹۲] عشق سے نہیں ڈرتا ہوں، پر اسدؔ!
جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا

(۲۷)[۹۳]

رحمت اگر قبول کرے، کیا بعید ہے!
شرمندگی سے، عذر نہ کرنا گناہ کا

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے
پُرگل، خیالِ زخم سے، دامن نگاہ کا

(۲۸)[۹۴]

رشک کہتا ہے کہ: "اس کا غیر سے اخلاص حیف!"
عقل کہتی ہے کہ: "وہ بے مہر کس کا آشنا!؟"

ربطِ[۹۵] یک شیرازۂ وحشت ہیں اجزائے بہار
سبزہ بیگانہ، صبا آوارہ، گل ناآشنا

شوق، ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز
ذرّہ، صحرا دستگاہ و قطرہ، دریا آشنا

میں، اور ایک[۹۶] آفت کا ٹکڑا، وہ دلِ وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن، اور آوارگی کا آشنا

(۲۹)[۹۸]

عشرتِ قطرہ، ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا، ہے دوا ہو جانا

تجھ سے قسمت میں مری، صورتِ قفلِ ابجد
تھا لکھا، بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم، اللہ اللہ!
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا!

ضعف سے، گریہ، مبدّل بدمِ سرد ہوا
باور آیا ہمیں، پانی کا ہوا ہو جانا

دل سے مٹنا تیری انگشتِ حنائی کا خیال
ہو گیا، گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

(۳۰)[۹۹]

پوچھ مت! وجہ سیہ مستیٔ اربابِ چمن
سایۂ تاک میں ہوتی ہے، ہوا، موجِ شراب

جو ہوا غرقۂ مے، بختِ رسا رکھتا ہے
سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہما، موجِ شراب

ہے یہ برسات' وہ موسم کہ' عجب کیا ہے؛ اگر
موجِ ہستی کو کرے' فیضِ ہوا' موجِ شراب

چار[۱۰۰] موج اٹھے ہے' طوفانِ طرب سے' ہر دم:
موجِ گل' موجِ شفق' موجِ صبا' موجِ شراب

جس قدر روحِ نباتی' ہے جگر تشنہ' ناز
دے ہے تسکیں' بدمِ آبِ بقا' موجِ شراب

ایک عالم پہ ہیں طوفانیٔ کیفیتِ وصل[۱۰۱]
موجہ' سبزۂ نوخیز سے' تا موجِ شراب

شرحِ[۱۰۲] کیفیتِ ہستی ہی نہیں' موسمِ گل
رہبرِ[۱۰۳] قطرہ بہ دریا ہے' خوشا' موجِ شراب!

(۳۱)[۱۰۴]

جاتا ہوں جدھر' سب کی اُٹھے[۱۰۵] ہے اُدھر انگشت
یکدست جہاں مجھ سے پھرا ہے' مگر انگشت

کافی ہے نشانی' تیرا[۱۰۶] چھلّے کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلاکے' بوقتِ سفر' انگشت

خوں دل میں جو میرے نہیں باقی' تو پھر[۱۰۷] اُس کی
جوں[۱۰۸] ماہیِ بے آب' تڑپتی ہے ہر انگشت

افسوس! کہ دنداں[۱۰۹] کا کیا رزق فلک نے
جن لوگوں کی تھی[۱۱۰]' درخورِ عقدِ گہر' انگشت

لکھتا ہوں' اسد! سوزشِ دل سے سخنِ گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی' مرے حرف پر' انگشت

(۳۲)[۱۱۱]

قیس بھاگا' شہر سے' شرمندہ ہو کر' سوئے دشت
بن گیا' تقلید سے میری' یہ سودائی' عبث

(۳۳)[۱۱۲]

آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ
تارِ نفس' کمندِ شکارِ اثر[۱۱۲] ہے آج

اے عافیت! کنارہ کر؛ اے انتظام[۱۱۳]! چل
سیلابِ گریہ درپئے[۱۱۴] دیوار و در ہے' آج

معزولیٔ تپش ہوئی' افراطِ انتظار[۱۱۵]
چشمِ کشودہ[۱۱۶]' حلقۂ بیرونِ در ہے آج

(۳۴)[۱۱۷]

حسن' غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے' آرام سے ہیں اہلِ جفا' میرے بعد

منصبِ شیفتگی کے، کوئی، قابل نر ہا
ہوئی معزولیٔ انداز و ادا، میرے بعد

شمع بجھتی ہے، تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے[۱۱۸]
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

آئے ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا، غالبؔ!
کس کے گھر جائے گا سیلابِ فنا[۱۱۹]، میرے بعد؟

(۳۵)[۱۲۰]

نہیں[۱۲۱] بندِ زلیخا بے تکلف ماہِ کنعاں پر
سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھیری ہے زنداں پر[۱۲۲]

مجھے، اب دیکھ کر، ابرِ شفق آلودہ، یاد آیا
کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر

اسدؔ[۱۲۳]! اے بے تحمل، عربدہ بیجا ہے، ناصح سے
کہ آخر، بیکسوں کا زور چلتا ہے، گریباں پر

(۳۶)[۱۲۴]

فلک سے ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے!
متاعِ بردہ کو، سمجھے ہوئے ہیں قرض، رہزن پر

ہم[۱۲۵]، اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے
شعاعِ مہر سے، تہمت نگہ کی، چشمِ روزن پر

فنا کو سونپ، گر مشتاق ہے، اپنی حقیقت کا[۱۲۶]
فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوف، گلخن پر

(۳۷)[۱۲۷]

فارغ مجھے نہ جان کہ، جوں صبح و آفتاب
ہے داغِ عشق زینتِ جیبِ کفن ہنوز

ہے نازِ مفلساں زرِ از دست رفتہ پر
ہوں گلفروشِ شوخیٔ داغِ کہن ہنوز

(۳۸)[۱۲۸]

نہ گلِ نغمہ ہوں، نہ پردۂ ساز
میں[۱۲۹] ہوں، اپنی شکست کی آواز

لافِ تمکیں، فریبِ سادہ دلی
ہم ہیں، اور رازہائے سینہ گداز

تو، اور آرائشِ خمِ[۱۳۰] کاکل
میں، اور اندیشہ ہائے دُور و دراز[۱۳۱]

(۳۹)[۱۳۲]

مند گئیں[۱۳۳]، کھولتے ہی کھولتے، آنکھیں یک بار[۱۳۴]
خوب وقت آئے تم، اس عاشقِ بیمار کے پاس

میں بھی رک رک کے نہ مرتا، جو زباں کے بدلے
دشنہ[۱۳۵] اک تیز سا ہوتا، مرے غمخوار کے پاس

دیکھ کر تجھ کو، چمن بسکہ نمو کرتا ہے
خود بخود، پہنچے ہے گل، گوشۂ دستار کے پاس

دہنِ شیر میں جا بیٹھیے، لیکن، اے دل!
نہ کھڑے ہو جیئے! خوبانِ دل آزار کے پاس

مر گیا، پھوڑ کے سر، غالبؔ وحشی، ہے ہے!
بیٹھنا اس کا وہ، آکر، تری دیوار کے پاس

(۴۰)[۱۳۶]

نہ لیوے گر، خسِ جوہر، طراوت سبزۂ خط سے
لگا دے خانۂ آئینہ میں، روئے نگار، آتش

فروغِ حسن[۱۳۷] سے ہوتی ہے حلِ مشکلِ عاشق
نہ نکلے[۱۳۸] شمع کے پا سے، نکالے گر نہ خار، آتش

(۴۱)[۱۳۹]

رُخِ نگار سے، ہے سوزِ جاودانیِ شمع
ہوئی ہے، آتشِ گل، آبِ زندگانیِ شمع

زبانِ اہلِ زباں میں، ہے مرگ، خاموشی
یہ[۱۴۰] بات بزم میں روشن ہوئی، زبانیِ شمع

غم[۱۴۱] اُن کو حسرتِ پروانہ[۱۴۲] کا ہے، اے شعلہ!
تیرے لرزنے سے ظاہر ہے، ناتوانیِ شمع

(۴۲)[۱۴۳]

کون آیا؟ جو چمن بیتابِ استقبال ہے!
جنبشِ موجِ صبا، ہے شوخیِ رفتارِ باغ

آتشِ[۱۴۴] رنگِ رُخِ ہر گل کو بخشے ہے فروغ
ہے دمِ سردِ صبا سے، گرمیِ بازارِ باغ

(۴۳)[۱۴۵]

بہم[۴۵] رقیب سے نہیں کرتے وداعِ ہوش
مجبوریاں تلک ہوئے، اے اختیار! حیف!

تھی[۱۴۶] میرے ہی جلانے کو، اے آہِ شعلہ ریز!
گھر پر پڑا نہ، غیر[۱۴۷] کے، کوئی شرار، حیف!

ہیں، میری مشتِ خاک سے، اس کو کدورتیں
پائی جگہ جو[۱۴۸] دل میں، تو ہو کر غبار، حیف!

جلتا ہے دل کہ، کیوں نہ ہم اک[۱۴۹] بار جل گئے
اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بار، حیف!

(۴۴)

یاد ہیں، اے ہمنشیں! وہ دن کہ ذوقِ وجد میں
زخم سے گرتا، تو میں پلکوں سے چنتا تھا، نمک

داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی، واہ واہ!
یاد کرتا ہے مجھے، دیکھے ہے وہ جس جا، نمک

چھوڑ کر جانا تنِ مجروحِ عاشق حیف ہے!
دل طلب کرتا ہے زخم، اور مانگے ہیں اعضا نمک

(۴۵)

دام، ہر موج میں، ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں، کیا گزرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک!

ہم نے مانا کہ، تغافل نہ کرو گے، لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم، تم کو خبر ہونے تک

یک نظر بیش نہیں، فرصتِ ہستی، غالبؔ
گرمیِ بزم ہے، اک رقصِ شرر ہونے تک

(۴۶)

گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت، دعا نہ مانگ!
یعنی، بغیرِ یک دلِ بے مدعا، نہ مانگ!

آتا ہے، داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد!
مجھ سے حسابِ بے گنہی اے خدا! نہ مانگ!

(۴۷)

ہے کس قدر ہلاکِ فریبِ ہوائے گل؟
بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل!

خوش حال! اس حریفِ سیہ مست کا، کہ جو
رکھتا ہو، مثلِ سایۂ گل، سر بپائے گل

شرمندہ رکھتے ہیں مجھے، بادِ بہار سے
مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گل

(۴۸)

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو، بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن، شمعِ ماتم خانہ ہم

باوجودِ یک جہاں ہنگامہ، پر مو ہوم ہیں
جوں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم

دائم الحبس اس میں ہیں، لاکھوں تمنائیں، اسدؔ!
جانتے ہیں سینۂ پرخوں کو زنداں خانہ ہم

(۴۹)

ہو گئے ہیں جمع، اجزائے نگاہِ آفتاب
ذرّے اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

ہو فشارِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود!
قد کے جھکنے کی بھی گنجایش مرے تن میں نہیں

لے گئی ساقی کی نخوت، قلزمِ آشامی مری
موجِ مے کی آج، رگ، مینا کی گردن میں نہیں

(۵۰)

فرصتِ کاروبارِ شوق کسے؟
ذوقِ نظارۂ جمال کہاں؟

دل تو دل، وہ دماغ بھی نہ رہا!
شورِ سودائے خطّ و خال کہاں؟

تھی وہ خوباں ہی کے تصوّر سے
اب، وہ رعنائیِ خیال کہاں؟

مضمحل ہو گئے قویٰ، غالبؔ!
وہ عناصر میں اعتدال کہاں؟

(۵۱)

عہدے سے مدحِ ناز کے باہر نہ آ سکا
گر ایک ادا ہو، تو اُسے اپنی قضا کہوں

ظالم مرے گماں سے، مجھے منفعل نہ چاہ!
ہئے ہئے، خدا نکردہ، تجھے بے وفا کہوں!

میں، اور صد ہزار نوائے جگر خراش
تو، ایک اور وہ نشنیدن کہ کیا کہوں؟

حلقے ہیں چشمہائے کشودہ بسوئے دل
ہر تارِ زلف کو نگہِ سرمہ سا کہوں!

(۵۲)

قرض کی پیتے تھے مے، لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں!
رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی، ایک دن

نغمہ ہائے غم کو بھی، اے دل! غنیمت جانیئے
بے صدا ہو جائے گا، یہ سازِ ہستی ایک دن

دَھول دھپّہ اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے، غالبؔ! پیش دستی ایک دن

(۵۳)

شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں
جادہ، غیر از نگہِ دیدۂ تصویر نہیں

رنج نومیدیٔ جاوید! گوارا رہیو!
خوش ہوں، گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالبؔ!
جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں

ریختے کا وہ ظہوری ہے، بقولِ ناسخ؛
"آپ بے بہرہ ہے، جو معتقدِ میر نہیں"

(۵۴)

عشق تاثیر سے نومید نہیں
جانسپاری، شجرِ بید نہیں

رازِ معشوق نہ رسوا ہو جائے
ورنہ، مرجانے میں کچھ بھید نہیں

ہے، تجلّی تری، سامانِ وُجود
ذرّہ، بے پرتوِ خورشید نہیں

گردشِ رنگِ طرب سے ڈریے!
غمِ محرومیٔ جاوید نہیں!

سلطنت دستِ بدست آئے ہے
جامِ مے خاتمِ جمشید نہیں

کہتے ہیں، جیتی ہے امید پہ خلق
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

مے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل
بادہ، غالبؔ! عرقِ بید نہیں

(۵۵)

ہے نزاکت، بسکہ فصلِ گل میں، معمارِ چمن
قالبِ گل میں ڈھلے ہے، خشتِ دیوارِ چمن

اُلفتِ گل سے، غلط ہے، دعوئے وارستگی
سرو ہے، باوصفِ آزادی، گرفتارِ چمن

(۵۶)

ظاہر ہیں، میری شکل سے افسوس کے نشاں
جوں شانہ، پشتِ دست بدنداں گزیدہ ہوں!

دیتا ہوں کشتگاں کو، سخن سے، سرِ تپش
مضرابِ تارہائے گلوئے بُریدہ ہوں!

ہوں گرمیٔ نشاطِ تصوّر سے، نغمہ سنج
میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں!

سر پر مرے، وبالِ ہزار آرزو رہا
یارب! میں کس غریب کا بختِ رمیدہ ہوں؟

(۵۷)[۱۹۷]

وعدۂ سیرِ گلستاں ہے، خوشا! طالعِ شوق
مژدۂ قتل مقدر ہے، جو مذکور نہیں

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلیدِ تُنک ظرفیٔ منصور نہیں

حسرت! اے ذوقِ خرابی! کہ وہ طاقت نہ رہی
عشقِ پُرعربدہ کی گوں، تنِ رنجور نہیں

ظلم کر، ظلم! اگر لطفِ دریغ آتا ہو
تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں[۱۹۸]

صاف دُردی کشِ پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ
واے! وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں!

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالبؔ!
میرے دعوے پہ یہ حجّت ہے کہ مشہور نہیں[۱۹۹]

(۵۸)[۲۰۰]

نالۂ جز حسنِ طلب، اے ستم ایجاد! نہیں
ہے تقاضائے جفا، شکوۂ بیداد نہیں

عشق و مزدوریٔ عشرتگہِ خسرو، کیا خوب!
ہم کو تسلیم، نکونامیٔ فرہاد نہیں!

کم نہیں وہ بھی خرابی میں، پہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش[۲۰۱] کہ گھر یاد نہیں

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث، مکتب[۲۰۲]
لطمۂ موج، کم از سیلیٔ استاد نہیں

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت، غالبؔ!
تم کو دل تنگیٔ رندانِ وطن یاد نہیں![۲۰۳]

(۵۹)[۲۰۴]

ہوئی[۲۰۵] یہ بیخودیِ چشم و زباں کو تیرے جلوے سے
کہ طوطی قفلِ زنگ آلودہ ہے آئینہ خانے میں

قیامت[۲۰۶] ہے کہ سُن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
تعجب سے یہ بولا[۲۰۷]: "یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں"!

دلِ نازک پہ اس کے رحم آتا ہے مجھے، غالبؔ!
نہ کر سرگرم اس کافر کو، الفت آزمانے میں[۲۰۸]

(۶۰)[۲۰۹]

پانو[۲۱۰] میں، جب وہ، حنا باندھتے ہیں
میرے ہاتھوں کو، جُدا باندھتے ہیں

آہ کا، کس نے اثر دیکھا ہے؟
ہم بھی ایک[211] اپنی ہوا باندھتے ہیں!

قیدِ[212] ہستی سے رہائی، معلوم!
اشک کو بے سر و پا باندھتے ہیں!

نشۂ رنگ سے ہے، واشُدِ گل
مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں؟

تیری فرصت کے مقابل، اے عمر!
برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں

غلطی ہائے مضامین، مت پوچھ!
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

کس کا دل زلف سے بھاگا؟ کہ اسدؔ!
دستِ شانہ بہ قفا باندھتے ہیں

[213]
(۶۱)

دیوانگی سے، دوش پہ، زُنّار بھی نہیں
یعنی، ہمارے جیب میں ایک[214] تار بھی نہیں

دل کو، نیازِ حسرتِ دیدار کر چکے
دیکھا، تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں!

گنجائشِ عداوتِ اغیار، یک[215] طرف
یاں دل میں، ضعف سے، ہوسِ یار بھی نہیں

ڈر![216] نالہ ہائے زار سے میرے، خدا کو مان!
آخر! نوائے مرغ گرفتار بھی نہیں؟

دل میں، ہے یار کی صفِ مژگاں سے رُوکشی
حال آنکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے؟ اے خدا!
لڑتے ہیں، اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

شوریدگی کے ہاتھ سے، ہے سر وبالِ دوش
صحرا میں، اے خدا! کوئی دیوار بھی نہیں

دیکھا، اسدؔ کو خلوت و جلوت میں بارہا
دیوانہ گر نہیں ہے، تو ہشیار بھی نہیں

[217]
(۶۲)

ہزاروں[218] دل دیے، جوشِ جنونِ عشق نے مجھ کو
سیہ ہو کر سُوَیدا ہو گیا، ہر قطرہ خوں تن میں

ہوئی[219] ہے، مانعِ ذوقِ تماشا، خانہ ویرانی
کفِ سیلاب، باقی ہے، برنگِ پنبہ، روزن میں

[٢٢٠] نہ جانوں، نیک ہوں یا بد ہوں؟ پر صحبت مخالف ہے!
جو گل ہوں، تو ہوں گلخن میں، جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں

اسدؔ! زندانیِ تاثیرِ الفت ہائے خوباں ہوں
خمِ دستِ نوازش، ہو گیا ہے طوق، گردن میں

[٢٢١]
(٦٣)

پُرسشِ طرزِ دلبری، کیجئے کیا؟ کہ بِن کہے
اُس کے ہر ایک [٢٢٢] اشارے سے، نکلے ہے یہ ادا کہ، یوں!

کب مجھے کوے یار میں رہنے کی وضع، یاد تھی؟
آئینہ دار بن گئی، حیرتِ نقشِ پا کہ، یوں!

[٢٢٣] میں نے کہا کہ "بزمِ ناز، چاہیئے غیر سے تہی"
سن کے ستم ظریف نے، مجھ کو اٹھا دیا کہ "یوں"؟

[٢٢٤]
(٦٤)

[٢٢٥] چھوڑا نہ مجھ میں، ضعف نے، رنگ اِختلاط کا
ہے دل پہ بار، [٢٢٦] نقشِ محبّت ہی کیوں نہ ہو!

[٢٢٧] ہے مجھ کو، تجھ سے، تذکرۂ غیر کا گِلا
ہر چند، بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو!

ہے آدمی، بجائے خود، ایک [٢٢٨] محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں، خلوت ہی کیوں نہ ہو!

مٹتا ہے، فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی!
[٢٢٨] عمرِ عزیز، صَرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو!

[٢٢٩]
(٦٥)

واں پہنچ کر، جو غش آتا پیے ہم ہے، ہم کو
صدرہ آہنگِ زمیں بوسِ قدم ہے ہم کو

دِل کو میں، اور مجھے دل، محوِ وفا رکھتا ہے
کس قدر ذوقِ گرفتاریٔ ہم، ہے ہم کو؟

ضعف سے، نقشِ پئے مور، ہے طوقِ گردن
[٢٣٠] تیرے کوچے سے کہاں طاقتِ رم ہے ہم کو؟

جان کر کیجے تغافل، کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہِ غلط انداز، تو سَم ہے ہم کو

رشکِ ہم طرحی و دردِ اثرِ بانگِ حزیں
نالۂ مرغِ سحر، تیغِ دو دم ہے ہم کو

[٢٣١] سر اُڑانے کے، جو، وعدے کو مکرّر چاہا
ہنس کے بولے [٢٣٢] کہ، "ترے سر کی قسم ہے ہم کو" [٢٣٣]

دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ؟ ولیکن ناچار
پاسِ بے رونقیٔ دیدہ، اہم ہے ہم کو!

ابر روتا ہے[234] کہ "بزمِ طرب آمادہ[235] کرو!"
برق ہنستی ہے[236] کہ "فرصت کوئی دم ہے ہم کو!"

تم وہ نازک کہ "خموشی" کو "فغاں" کہتے ہو!
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو!

لکھنؤ[237] آنے کا باعث، نہیں کھلتا، یعنی[238]
ہوسِ سیر و تماشا، سو وہ کم ہے! ہم کو

طاقتِ[239] رنجِ سفر بھی، نہیں پاتے، اتنی
ہجرِ یارانِ وطن کا بھی، الم ہے ہم کو

مقطعِ[240] سلسلۂ شوق نہیں ہے، یہ شہر
عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو

لیے[241] جاتی ہے کہیں، ایک توقع غالبؔ!
جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

[242]
(۶۶)

ہندوستان، سایۂ گل پائے تخت تھا
جاہ[243] و جلالِ عہدِ وصالِ بتاں نہ پوچھ!

ہر داغِ تازہ، یک دلِ داغ انتظار ہے
عرضِ فضائے سینۂ درد امتحاں نہ پوچھ!

ناچار[244]، بیکسی کی بھی حسرت اُٹھائیے!
دشوارئ رہ و ستمِ ہمرہاں نہ پوچھ!

کہتا تھا[245] کل وہ محرمِ راز اپنے سے کہ "آہ!
دردِ جدائیٔ اَسَد اللہ خاں، نہ پوچھ!"

[246]
(۶۷)

ہے سنگ پر، براتِ معاشِ جنونِ عشق
یعنی، ہنوز منتِ طفلاں اٹھائیے!

دیوار، بارِ منتِ مزدور سے، ہے خم
اے خانماں خراب! نہ احساں اٹھائیے!

یا میرے زخمِ اشک کو رُسوا نہ کیجیے!
یا پردۂ تبسمِ پنہاں اٹھائیے!

[247]
(۶۸)

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی، ایک اور[248] شخص پر
آخر، ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے!

دے[249] داد، اے فلک! دلِ حسرت پرست کی
ہاں، کچھ نہ کچھ تلافیٔ مافات چاہیئے

سیکھے[250] ہیں، مہ رخوں کے لیے، ہم مصوری
تقریب، کچھ تو، بہرِ ملاقات چاہیئے!

مے سے غرض نشاط ہے کس رُوسیاہ کو!
ایک گونہ بیخودی، مجھے دن رات چاہیئے!
نشو و نما، ہے اصل سے، غالب! فرُوع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے، جو بات چاہیئے
ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جُدا
ہر رنگ میں، بہار کا اثبات چاہیئے
سر، پائے خم پہ کھینچیے، ہنگامِ بیخودی!
رُو، سُوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیئے
یعنی، بحسبِ گردشِ پیمانۂ صفات
عارف، ہمیشہ مستِ مئے ذات چاہیئے!

(۶۹)

بساطِ عجز میں تھا ایک دل، یک قطرہ خوں وہ بھی
سو رہتا ہے، بہ اندازِ چکیدن، سرنگوں، وہ بھی
نہ کرتا، کاش، نالہ، مجھ کو کیا معلوم تھا، ہمدم!
کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں، وہ بھی
خیالِ مرگ کب تسکیں دلِ آزردہ کو بخشے!
مرے دامِ تمنا میں، ہے ایک صیدِ زبوں وہ بھی

(۷۰)

کیا تنگ، ہم ستم زدگوں کا جہان ہے!
جس میں کہ ایک بیضۂ مور (آسمان) ہے
ہے، بارے، اعتمادِ وفاداری اس قدر
ہم بھی اسی میں خوش ہیں کہ، نامہربان ہے
بیٹھا ہے، جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں
فرمانروائے کشورِ ہندوستان ہے
کیا خوب! تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا!
بس چپ رہو! ہمارے بھی منہ میں زبان ہے!

(۷۱)

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو، کہیں!
عالم تمام، حلقۂ دامِ خیال ہے
ہے ہے! خدا نخواستہ، وہ اور دشمنی!
اے شوقِ منفعل! یہ تجھے کیا خیال ہے؟
کس پردہ میں، ہے آئنہ پرداز؟ اے خدا!
رحمت کہ عذر خواہِ لبِ بے سوال ہے

۲۶۹
(۷۲)

کیا کروں؟ غمہائے پنہاں، لے گئے صبر و قرار
۲۷۰
دُزدِ گر ہو خانگی، تو پاسباں معذور ہے

۲۷۱
آگ سے، پانی میں بجھتے وقت، اٹھتی ہے صدا
ہر کوئی، درماندگی میں، نالے سے مجبور ہے

۲۷۲
(۷۳)

مجھ سے مت کہہ! "تو ہمیں کہتا تھا، اپنی زندگی"
زندگی سے بھی، مرا جی، ان دنوں بیزار ہے!

آبلہ کی تصویر سر نامے پہ کھینچی ہے، کہ تا
۲۷۳
تجھ پہ کھل جاوے کہ، یاں تک حسرتِ دیدار ہے

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا، سو بھی مٹ گیا
ظاہرا، کاغذ، ترے خط کا، غلط بردار ہے

۲۷۴
(۷۴)

خزاں کیا؟ فصلِ گل کہتے ہیں کس کو؟ کوئی موسم ہو!
وہی ہم ہیں، قفس ہے، اور ماتم بال و پر کا ہے!

وفائے دلبراں، ہے اتفاقی، ورنہ اے ہمدم!
اثر، فریادِ دلہائے حزیں کا، کس نے دیکھا ہے؟

۲۷۵
ہجومِ ریزشِ خوں کے سبب، رنگ اُڑ نہیں سکتا
حنائے پنجۂ صیّاد مرغِ رشتہ بر پا ہے

۲۷۶
(۷۵)

۲۷۷
بیدادِ انتظار کی طاقت نہ لا سکی
اے جانِ برلب آمدہ! بیتاب ہو گئی؟

۲۷۸
غالبؔ! از بسکہ سوکھ گئے چشم میں سرشک
آنسو کی بوند، گوہرِ نایاب ہو گئی

۲۷۹
(۷۶)

عشق مجھ کو نہیں، وحشت ہی سہی!
میری وحشت، تری شہرت ہی سہی!

قطع کیجے! نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے، تو عداوت ہی سہی!

کچھ تو دے، اے فلکِ ناانصاف!
۲۸۰
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی!

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں!
نہ سہی عشق، مصیبت ہی سہی!

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے!
بے نیازی، تری عادت ہی سہی!

[۲۸۱] چھیڑ خوباں سے چلی جائے، اسدؔ!
گر نہیں وصل، تو حسرت ہی سہی!

۲۸۲
(۷۷)

مینائے مے، ہے سرو، نشاطِ بہار سے
بالِ تدرو، جلوۂ موجِ شراب ہے [۲۸۳]
زخمی ہوا ہے، پاشنہ پائے ثبات کا
نے بھاگنے کی گوں [۲۸۴]، نہ اقامت کی تاب ہے
میں نامراد، دل کی تسلّی کو کیا کروں؟
مانا! کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے!
گزرا، اسدؔ! مسرّتِ پیغامِ یار سے
قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال و جواب ہے

۲۸۵
(۷۸)

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے
صبحِ وطن، ہے خندۂ دنداں نما مجھے
کرتا ہے، بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں
آنے لگی ہے نکہتِ گل سے حیا مجھے
[۲۸۶] (کھلتا) کسی پہ کیوں، مرے دل کا معاملہ؟
شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے!

۲۸۷
(۷۹)

دیکھنا! تقریر کی لذّت کہ، جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ، گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
گرچہ ہے کس کس برائی سے، ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ، اس محفل میں ہے
بس ہجومِ نا اُمیدی [۲۸۸]! خاک میں مل جائے گی
یہ جو اِک [۲۸۹] لذّت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

۲۹۰
(۸۰)

کروں بیدادِ ذوقِ پرفشانی عرض، کیا قدرت!
کہ طاقت اڑ گئی، اڑنے سے پہلے، میرے شہپر کی
[۲۹۰] کہاں تک روؤں، اوس کے خیمہ کے پیچھے، قیامت ہے!
مری قسمت میں، یارب! کیا نہ تھی دیوار پتھر کی؟

۲۹۱
(۸۱)

[۲۹۲] پھر، کچھ ایک، دل کو بے قراری ہے
سینہ جویائے زخمِ کاری ہے
پھر، جگر کھودنے لگا ناخن
آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے

قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز
پھر، وہی پردۂ عماری ہے

۲۹۳ چشم، دلّالِ جنسِ رسوائی
دل، خریدارِ ذوقِ خواری ہے

۲۹۴ وہی صد رنگ، نالہ فرسائی
وہی، صد گونہ، اشکباری ہے

دل، ہوائے خرامِ نازؔ، پھر
محشرستانِ بے قراری ہے

جلوہ، پھر عرضِ ناز کرتا ہے
۲۹۵ روز، بازارِ جاں سپاری ہے

پھر، اسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر، وہی زندگی ہماری ہے

۲۹۶ پھر، کھلا ہے درِ عدالتِ ناز
گرم، بازارِ فوجداری ہے

۲۹۷ پھر ہوا ہے، جہان میں اندھیر
۲۹۸ زلف کی پھر، سر (شتہ دار) ی ہے

پھر، دیا پارۂ جگر نے سوال
۲۹۹ ایک فریاد و آہ و زاری ہے

۳۰۰ پھر ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب
۳۰۱ اشکباری کا حکم جاری ہے

۳۰۲ دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا
آج پھر اس کی روبکاری ہے

بیخودی بے سبب نہیں، غالبؔ!
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

۳۰۳ (۸۲)

۳۰۴ پنہاں تھا، دامِ سخت قریب آشیانہ کے
۳۰۵ اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

نالے، عدم میں، چند ہمارے سپرد تھے
جو واں نہ کھنچ سکے، سو وہ یاں آکے دم ہوئے

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں
ہر چند، اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

۳۰۶ اللہ رے! تیری تندیٔ خو، جس کے بیم سے
۳۰۷ اجزائے نالہ، دل میں مرے، رزقِ ہم ہوئے

۳۰۸ (۸۳)

۳۰۹ رحم کر، ظالم! کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ہے!
نبضِ بیمارِ وفا، دودِ چراغِ کشتہ ہے!

۳۱۰ دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں
ورنہ یاں بیر و بتی، سُودِ چراغِ کشتہ ہے

۳۱۱ ہو جہاں، تیرا دماغِ ناز، مستِ بیخودی
خوابِ نازِ گلرخاں، دودِ چراغِ کشتہ ہے

۳۱۲
(۸۴)

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل!
زنہار، اگر تمھیں ہوسِ نائے و نوش ہے!
دیکھو! مجھے، جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو!
میری سنو! جو گوشِ نصیحت نیوش ہے!
ساقی بجلوہ، دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ، رہزنِ تمکین و ہوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ، ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے
لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
وہ جنّتِ نگاہ، وہ فردوسِ گوش ہے
یا صبحدم جو دیکھیے! آکر تو بزم میں
۳۱۳ نے وہ سرور و سوز، نہ جوش و خروش ہے!

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
۳۱۴ اک شمع رہ گئی ہے، سو وہ بھی خموش ہے

۳۱۵
(۸۵)

آہ کہ میری جان کو قرار نہیں ہے
طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ہے
دیتے ہیں جنّت، حیاتِ دہر کے بدلے
۳۱۶ نشّہ بہ اندازۂ خمار نہیں ہے
گریہ نکالے ہے، تیری بزم سے مجھ کو
ہائے! کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے
ہم سے عبث ہے گمانِ رنجشِ خاطر
۳۱۷ خاک میں عشاق کی، غبار نہیں ہے
دل سے اٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی
غیرِ گل، آئینۂ بہار نہیں ہے
قتل کا میرے، کیا ہے عہد تو، بارے!
وائے! اگر عہد استوار نہیں ہے!
تو نے قسم میکشی کی، کھائی ہے غالبؔ!
تیری قسم کا، کچھ اعتبار نہیں ہے!

۳۱۷
(۸۶)

بہا ہے یاں تک اشکوں میں، غبارِ کلفتِ خاطر
کہ چشمِ تر میں، ہر یک پارۂ دل، پائے در گل ہے

رفوئے زخم سے مطلب، ہے لذّت زخمِ سوزن کی
سمجھیو مت! کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے!

۳۱۸
وہ گل (جس گلستاں) میں جلوہ فرمائی کرے غالبؔ
چٹکنا غنچۂ گل کا، صدائے خندۂ دل ہے

۳۱۹
(۸۷)

پا بدامن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد
خارِ پا، ہیں جوہرِ آئینۂ زانو مجھے

دیکھنا ۳۲۰ حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت
ہے نگاہِ آشنا، تیرا سرِ ہر مُو مجھے

ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت، کچھ نہ پوچھ!
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے!

۳۲۱
(۸۸)

مے پرستاں! خُمِ مے منہ سے لگا لو یعنی
ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی، نہ سہی!

نَفَسِ قیس، کہ ہے چشم و چراغ صحرا
گر نہیں، شمعِ سیہ خانۂ لیلیٰ ۳۲۳ نہ سہی!

ایک ہنگامہ پہ موقوف، ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی! نغمۂ شادی نہ سہی!

نہ ستائش کی تمنّا، نہ ۳۲۴ صلے کی پروا!
گر نہیں ہے مرے اشعار میں معنی، نہ سہی! ۳۲۵

عشرتِ صحبتِ خوباں ہی غنیمت سمجھو!
نہ ہوئی، غالبؔ! اگر عمرِ طبیعی، نہ سہی!

۳۲۶
(۸۹)

غمِ زمانہ نے جھاڑی، نشاطِ عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے، لذّتِ الم آگے

دل و جگر میں پَر افشاں جو ایک موجۂ خوں ہے
ہم اپنے زعم ۳۲۷ میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے

خدا کے واسطے، داد اس جنونِ شوق کی دیجے! ۳۲۸
کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں، نامہ بر سے، ہم آگے

قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں، غالبؔ! ۳۲۹
ہمیشہ کھاتے تھے، جو میری جان کی قسم آگے

۳۳۰

(۹۰)

۳۳۱ کب وہ سُنتا ہے، کہانی میری!
اور پھر، وہ بھی زبانی میری!

خلشِ غمزۂ خونریز نہ پوچھ!
۳۳۲ دیکھ! خونابہ فشانی میری

کیا بیاں کرکے مرا روئیں گے یار؟
مگر آشفتہ بیانی میری!

ہوں زخود رفتۂ بیدائے خیال
بھول جانا، ہے، نشانی میری

مُتقابل، ہے مقابل میرا
رک گیا، دیکھ روانی میری

گرد بادِ رہِ بیتابی ہوں!
صرصرِ شوق، ہے بانی میری!

قدرِ سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں
۳۳۳ سخت ارزاں ہے گرانی میری!

(دہن ا) س کا جو نہ معلوم ہوا
کھل گئی ہیچ مدانی میری

کر دیا ضعف نے عاجز، غالبؔ!
ننگِ پیری، ہے جوانی میری!

۳۳۴

(۹۱)

۳۳۵ تو وہ بدخُو، کہ تحیّر کو تماشا جانے!
۳۳۶ دل وہ افسانہ، کہ آشفتہ بیانی مانگے

نقشِ نازِ بتِ طنّاز بہ آغوشِ رقیب
پائے طاؤس، پئے خامۂ مانی مانگے

۳۳۷

(۹۲)

اچھا ہے، سر انگشتِ حنائی کا تصوّر
۳۳۸ دل میں نظر آتی نہیں، ایک بوند لہو کی

کیوں ڈرتے ہو عُشّاق کی بے حوصلگی سے؟
۳۳۹ صاحب! کوئی سُنتا نہیں فریاد کسُو کی

۳۴۰ صد حیف! وہ ناکام کہ اک عمر سے غالبؔ!
۳۴۱ حسرت میں رہے، ایک بُتِ عربدہ خو کی

دشنے نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو
خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

۳۴۴
(۹۳)

۳۴۳ اس لب سے مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو ہاں!
شوقِ فضول و جرأتِ رندانہ چاہیئے!

۳۴۴ ہے وصل، ہجر، عالمِ تمکین و ضبط میں
معشوقِ شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیئے!

۳۴۵ جادو ہے یار کی روشِ گفتگو، اسدؔ!
یاں جز فسوں نہیں، اگر افسانہ چاہیئے!

۳۴۶
(۹۴)

صحبتِ رنداں سے، واجب ہے حذر
جائے مے اپنے کو کھینچا چاہیئے!

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی
منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیئے!

۳۴۷ چاک مت کر جیب! بے ایامِ گل
کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیئے!

۳۴۸ اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی!؟
یار ہی ہنگامہ آرا چاہیئے!

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید
نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیئے!

۳۴۹
(۹۵)

ہر قدم، دوریٔ منزل، ہے نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے، بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

۳۵۰ وحشتِ آتشِ دل سے، شبِ تنہائی میں
۳۵۱ دُود کی طرح، رہا سایہ گریزاں مجھ سے

اثرِ آبلہ، کرتا ہے بیاباں روشن
جادہ، جوں رشتۂ گوہر، ہے چراغاں مجھ سے

۳۵۲ نگہِ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسدؔ!
ہے چراغاں، خس و خاشاکِ گلستاں مجھ سے

۳۵۳
(۹۶)

۳۵۴ توڑا بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو، پھر ہم کو کیا؟
آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

۳۵۶
(۹۷)

کرے ہے قتل، لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے!

پلا دے اُوک سے، ساقی! جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا، نہ دے! شراب تو دے!

۳۵۸
(۹۸)

تپش سے میری، وقفِ کشمکش، ہر تارِ بستر ہے
میرا سر رنج بالیں ہے، میرا تن خارِ بستر ہے

۳۵۹
(۹۹)

نہ پوچھ! نسخہ، مرہم، جراحتِ دل کا
کہ، اس میں ریزۂ الماس، جزوِ اعظم ہے

بہت دنوں میں، تغافل نے تیرے، پیدا کی
۳۶۰ وہ ایک نگہ، کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

۳۶۱
(۱۰۰) ۳۶۲

کیوں نہ ہو؟ چشمِ بتاں محوِ تغافل، کیوں نہ ہو؟
یعنی، اس بیمار کو نظارے سے پرہیز ہے

مرتے مرتے، دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے ناکامی! کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے

۳۶۳
(۱۰۱)

۳۶۴ گل، سر بسر اشارۂ جیبِ دریدہ ہے
نازِ بہار، جز بہ تقاضا، نہ کھینچیے!

۳۶۵
(۱۰۲)

بن گیا تیغ نگاہِ یار کا سنگِ فساں
مرحبا، میں! کیا مبارک ہے؟ گراں جانی مجھے!

وعدہ آنے کا وفا کیجے! یہ کیا انداز ہے؟
تم نے کیوں سونپی ہے، میرے گھر کی دربانی مجھے؟

وائے! واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا!
لے گیا تھا گور میں، ذوقِ تن آسانی مجھے

میرے غمخانے کی قسمت، جب رقم ہونے لگی
لکھ دیا، منجملۂ اسبابِ ویرانی، مجھے

کیوں نہ ہو بے التفاتی؟ اس کی خاطر جمع ہے
۳۶۶ جانتا ہے، صیدِ پرسش ہائے پنہانی، مجھے

ہاں! نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری، واہ، واہ!
پھر ہوا ہے تازہ، سودائے غزلخوانی مجھے

۳۶۷
(۱۰۳)

۳۶۸ خدایا! جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے!
کہ جتنا کھینچتا ہوں، اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے!

۳۶۹ اُدھر وہ بدگمانی ہے، اِدھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اس سے، نہ بولا جائے ہے مجھ سے

قیامت ہے کہ، ہووے مدّعی کا ہمسفر، غالبؔ!
وہ کافر جو خدا کو [۳۷۰](بھی) نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

[۳۷۱]
(۱۰۴)

رونے سے، اور عشق میں بیباک ہو گئے
دھوئے گئے ہم [۳۷۲]ایسے کہ، بس پاک ہو گئے

[۳۷۳]
رسوائے دہر گو ہوئے، آوارگی سے، تم
بارے، طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے!

کہتا ہے کون؟ نالۂ بلبل کو، بے اثر!
[۳۷۴]پردے میں، گل کے، لاکھ جگر چاک ہو گئے

[۳۷۵]پوچھے ہے کیا؟ وجود و عدم اہلِ شوق کا!
آپ [۳۷۶]اپنے شعلہ کے خس و خاشاک ہو گئے!

کرنے گئے تھے اس سے، تغافل کا، ہم [۳۷۷]گلہ
کی یک [۳۷۸]نگاہ ایسی کہ بس خاک ہو گئے

[۳۷۹]
صرفِ بہائے مے ہوئے آلاتِ مے کشی
تھے یہی دو حساب، سو یوں پاک ہو گئے

اس رنگ سے اٹھائی، کل [۳۸۰]اُس نے اسدؔ کی نعش
دشمن بھی جس کو دیکھ کے، غمناک ہو گئے

[۳۸۱]
(۱۰۵)

نشہ ہا شادابِ رنگ [۳۸۲](و) ساز ہا مستِ طرب
شیشۂ مے، سروِ سبزِ جوئبارِ نغمہ ہے

[۳۸۳]
ہمنشیں! مت کہہ، "کہ برہم کر نہ بزمِ عیشِ یار"!
واں تو، [۳۸۴]میرے نالے کو بھی، اعتبارِ نغمہ ہے

[۳۸۵]
(۱۰۶)

[۳۸۶]
عرضِ نازِ شوخیٔ دنداں، برائے خندہ ہے
[۳۸۷]دعوئے جمعیت احباب، جائے خندہ ہے

[۳۸۸]ہم عدم میں، غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گل
یک جہاں زانو تامّل، در قفائے خندہ ہے

[۳۸۹]
شورشِ باطن کے، ہیں [۳۹۰]اربابِ منکر، ورنہ یاں
دل، محیطِ گریہ و لب، آشنائے خندہ ہے

[۳۹۱]
(۱۰۷)

رونے سے، اے ندیم! ملامت نہ کر مجھے
آخر، کبھی تو، عقدۂ دل وا کرے کوئی!

چاکِ جگر سے، جب رہِ پُرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ؟ کہ جیب کو رُسوا کرے کوئی!

ناکامیِ نگاہ، ہے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ، تجھ کو تماشا کرے کوئی!

بیکاریِ جنوں کو، ہے سر پیٹنے کا شغل
۳۹۲ھ
جب ہاتھ ٹوٹ جائے، تو پھر کیا کرے کوئی؟

۳۹۳ھ
(۱۰۸)

کمالِ حسن، اگر موقوفِ اندازِ تغافل ہو
تکلّف برطرف، تجھ سے تری تصویر بہتر ہے

۳۹۴ھ
(۱۰۹)

باغ، پاکر خفقانی، یہ ڈراتا ہے مجھے!
سایۂ شاخِ گل، افعی نظر آتا ہے مجھے

۳۹۵ھ
(۱۱۰)

لبِ عیسیٰ کی جنبش، کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت، کشتۂ لعلِ بتاں کے خوابِ سنگیں ہے!

۳۹۶ھ
(۱۱۱)

پیچ آپڑی ہے، وعدۂ دلدار کی، مجھے
۳۹۷ھ
وہ آوے یا نہ آوے (پہ) یاں انتظار ہے

اے عندلیب! یک کفِ خس، بہرِ آشیاں
طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے!

حیراں ہوں، شوخیِ رگِ یاقوت دیکھ کر
یاں ہے کہ صحبتِ خس و آتش برار ہے

۳۹۸ھ
دل (مدّعی) و دیدہ بنا مدّعا علیہ
نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہے

۳۹۹ھ
(۱۱۲)

ہوں میں بھی، تماشائیِ نیرنگِ تمنّا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ، مطلب ہی بر آوے

۴۰۰ھ
(۱۱۳)

غالبؔ بُرا نہ مان! جو واعظ بُرا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے؟

۴۰۱ھ
(۱۱۴)

غم آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے، عاشق کو
چراغِ روشن اپنا، قلزمِ صرصر کا مَرجان ہے

دل و دیں نقد لا! ساقی سے گر سودا کیا چاہے
کہ اس بازار میں ساغر، متاعِ دست گرداں ہے

۴۰۲ھ
(۱۱۵)

شعلہ سے نہ ہوتی، ہوسِ شعلہ نے جو کی
جی، کس قدر افسردگیِ دل پہ جلا ہے!

تمثال میں تیری، ہے وہ شوخی، کہ بصد ذوق
آئینہ، بہ اندازِ گل، آغوش کشا ہے ۴۰۳

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
جُز نالہ، نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے؟

خُو نے تیری، افسردہ کیا، وحشتِ دل کو
معشوقی و بے حوصلگی، طُرفہ بلا ہے!

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی، ملے داد
یارب! اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے! ۴۰۵

(۱۱۶)

مدّت ہوئی ہے، یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم، چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع، پھر، جگرِ لختِ لخت کو
عرصہ ہوا ہے، دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

پھر، گرمِ نالہ ہائے شرر بار، ہے نفَس
مدّت ہوئی ہے، سیرِ چراغاں کیے ہوئے

پھر، وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے، دم
برسوں ہوئے ہیں، چاکِ گریباں کیے ہوئے

پھر، پرسشِ جراحتِ دل کو، چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

پھر، بھر رہا ہوں، خامۂ مژگاں، بخونِ دل
سازِ چمن طرازیٔ داماں کیے ہوئے

باہم دگر ہوئے ہیں، دل و دیدہ، پھر، رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے

دل، پھر، طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ، ویراں کیے ہوئے

پھر، شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے

دوڑے ہے پھر، ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے

(پھر، چاہا) ہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذرِ دل فریبیٔ عنواں کیے ہوئے

مانگے ہے، پھر، کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کیے ہوئے

ڈھونڈھے ہے، پھر، کسی کو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

ایک[219] نوبہارِ ناز کو تاکے[220] ہے، پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے، گلستاں کئے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے[221]، پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں، تصوّرِ جاناں کئے ہوئے

پھر، دل میں[222] ہے کہ، در پہ کسو کے[223] پڑے رہیں
سر[224]، زیرِ بارِ منّتِ درباں کئے ہوئے

غالبؔ! ہمیں نہ چھیڑ، کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم، تہیّۂ، طوفاں[225] کئے ہوئے

(نخستیں در بہ اتمام رسید)

وانمود[1]

سلسلہ جنبانیِ درِ دومِ این رنگین چمن، موسوم بہ
"گلِ رعنا" در عرضِ مذاقِ زبانِ پارسی کہ صہبا ستے
حریف افگن است، و بادۂ مرد آزما۔ از انجا کہ ہنوز
این گہر ہائے شاہوار را[2] بر رشتۂ نمطِ[3] حروفِ تہجّی
نکشیدہ ام، و این اوراقِ پراگندہ را شیرازۂ جمعیّتِ
تدوین نہ بستہ۔ فروہیدہ فرہنگانِ بخردی پیشہ و سنجیدہ
آہنگانِ موزونی اندیشہ، خردہ بر بے ربطیِ تحریر
نگیرند و عذرِ تنگ سرمایگانِ فطرت و بیدماغانِ
عالمِ فرصت بپذیرند[4]۔